JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 19, Issue: 01, Jul – Dec 2025

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

ترغیب وترہیب کے اسالیب اور انسانی نفسیات: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Prophetic Methods of Encouragement and Warning and Human Psychology: An Analytical Study in the Light of the Sīrah of the Prophet Muhammad ﷺ

Muhammad AbuBakar *
Lecturer, Minhaj College for Women, Lahore, Pakistan.
Dr. Muhammad Pervaiz **
Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Shariah, Minhaj University, Lahore, Pakistan.

ABSTRACT

Encouragement is such a good principle of binding human life within moral, cognitive, intellectual and ideological boundaries, examples of which are found in the Qur'an and the Sunnah of the Prophet (SWS). It is intended to be done in the light of principles. "Tagheeb" means to insist on the performance of certain matters or to hasten it, and "Tagheeb" means to inform about the harms of bad actions and its consequences. The method adopted to create interest in a good or good work is called motivation, similarly to create hatred for any matter that causes harm and danger to a person in this world or the hereafter. The style that should be adopted is called Tarheeb. The style adopted by the Holy Prophet (peace be upon him) is based on persuasion and Tarheeb. In this paper, the prophetic style based on persuasion and encouragement will be reviewed.

Keywords: *principle, human life system, ideological, motivation, create interest, cognitive.*

ترغیب وترہیب انسانی زندگی کو اخلاقی، شعوری، فکری و نظریاتی حدود میں پابند کرنے کا ایسا عمدہ اصول ہے جس کی مثالیں قرآن اور سنت رسول ﷺ میں ملتی ہیں۔ جس کی کی بدولت معاشرے تشکیل کی منازل عبور کرتے ہیں۔ اس کا مطالعہ عصری نفسیاتی اصولوں کی روشنی میں کرنا مقصود ہے۔ ''ترغیب سے مراد کسی خاص امور کی انجام دہی پر زور دینا یا اس میں عجلت اختیار کرنا، اور ترہیب سے مراد افعال بد کے نقصانات اور اس کے عبر سے اگاہ کرنا۔'' کسی نیکی یا بھلائی کے کام میں شوق پیدا کرنے کے لیے جو اسلوب اختیار کیا جائے اس کو ترغیب کہتے ہیں، اسی طرح کسی ایسے امر جو انسان کے لیے دنیا یا آخرت میں نقصان اور خطرے کا سبب ہو اس کام کی نفرت پیدا کرنے کے لیے جو اسلوب اختیار کیا جائے اس کو ترہیب کہتے ہیں۔ ترغیب کا پہلو انسانی روح میں اچھائی اور اطاعت کے جذبوں کو متحرک کرنے، عمل صالح پر ابھارنے نیکی کی طرف میلان بڑھانے اور جزاء کی امید کو مضبوط

CC BY

کرنے کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ الغرض ترغیب وترہیب اصولِ دعوت وارشاد میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ انبیاء کرام نے پیغام خدا کو مخلوقِ انسانی تک پہنچانے کے لیے جس اسلوب کو اختیار کیا وہ ترغیب وترہیب پر مبنی منہج ابلاغ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تعلیم وتربیت کے ذیل میں انسانی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے جو اسلوب اختیار فرمایا وہ ترغیب وترہیب پر مبنی ہے۔ مقالہ ھذا میں ترغیب وترہیب میں انسانی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے نبوی اسالیب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ترغیب کا لغوی واصطلاحی مفہوم

ترغیب وترہیب یہ دونوں لغت کے لحاظ سے عربی کے الفاظ ہیں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور کلام عربی میں کئی مقامات پر مستعمل ہیں۔ ترغیب وترہیب کے لغت اور اصطلاح میں معنی ومفہوم درج ذیل ہیں۔ ترغیب عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل سے مصدر ہے اور اس کی اصل ثلاثی مجرد ہے۔ رغب یہی اس کا مادہ ہے یعنی (ر غ ب) جبکہ اردو میں بطور مصدر مستعمل ہے۔ اسم کیفیت: مؤنث واحد ہے۔ جمع: ترغیبات (تر غی بات) ہے۔ جمع غیر ندائی (تر۔ غی۔ بون) ہے۔ لغوی معنی باب کے مختلف ہونے سے بدل جاتا ہے چنانچہ جب (سمع) کے وزن پر ہو تو ارادہ، طلب، شئے پر حرص اور خواہش ہونا ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: رغب فی الشیئ رغباً ورغبی ورغباً فھو راغب [1] یعنی کسی چیز کا ارادہ، طلب اور خواہش ہونا، یہ معنی تب ہوگا جب حرف جر "فی" کے ساتھ متعدی ہو۔ لیکن فعل حرف جر "الی" کے ساتھ متعدی ہو تو سوال اور جھگڑے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[2] جیسے قرآن مجید میں ہے: والی ربك فارغب.[3] "یعنی اپنے رب سے مانگیں اور اس کے غیر سے سوال نہ کریں اس لیے کہ وہی آپ کی حاجت پوری ہونے پر قادر ہے۔"[4] اور جب فعل حرف جر "عن" کے ساتھ متعدی ہو تو ارادہ نہ ہونے، عدم رغبت شئ سے استغنیٰ اور جان بوجھ کر ترک ارادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[5] اس ضمن میں ابن منظور رقمطراز ہیں: وارغبنی فی الشئی ورغبنی بمعنی ورغبہ اعطاہ ما رغب،[6] یعنی مجھے کسی چیز کی ترغیب دلائی۔ اور تاج العروس میں ہے: وراغب فی الشیئی غیرہ ورغب ورغبہ ترغیباً [7] یعنی دوسرے کو کسی چیز کی ترغیب دینا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ مادہ (ر غ ب) افعال اور تفعیل سے متعدی ہوتا ہے۔ لیکن مشہور استعمال باب تفعیل کے مصدر کا ہے یعنی ترغیب کا لفظ استعمال ہوتا ہے نہ افعال کا مصدر (ارغاب)۔

ترغیب کا لفظ اصطلاح میں دعوت وتبلیغ کے اسالیب میں سے ایک ہے۔ قریب وبعید کے وعدوں پر مشتمل ایسا کلام ہوتا ہے کہ جس سے نیکی کی طرف بلانا رضا الٰہی کے لیے کسی کام کرنے کا شوق دلانا مقصود ہو۔ عبد الکریم الزیدانؒ کہتے ہیں: "ترغیب سے مقصود ہر ایسی بات کہ جو مخاطب کو حق کے قبول اور پر ثابت قدمی کا شوق دلائے۔[8]، عبد لارحمن الخلاویؒ نے ترغیب اصطلاحی کی تعریف اس طرح کی ہے: "وعد یصحبہ حتیب واغراء بمصلہ اولذۃ امعتعتہ آجلۃ خالدۃ من الشوائب مقابل القیا مبعمل الصالح اولا متناعون لذۃ ضارۃ او عمل سبئی ابتغاء مرضاۃ"[9] یعنی ایک ایسا وعدہ کہ جس کے ساتھ پیار اور آزمائش ہو کوئی مصلحت یا نجاست سے پاک لذت یا مستقبل کا کوئی نفع متعلق ہو، کسی نیک کام کے بدلے میں ہو یا کسی

نقصان دہ لذت اور برے کام سے اجتناب کے متعلق ہو۔ چنانچہ دعوت میں یہ اسلوب انسان کو ایسے نیک اعمال پر ابھارنے اور ترغیب دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ جو اعمال انسان کے لیے ابدی راحت کا سبب بنیں اور اخروی زندگی کے لیے اچھے صلہ کا ذریعہ ہوں، جن اعمال صالحہ کا تذکرہ اور ان کے نتائج و ثمرات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا۔

ترہیب کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ ترہیب: عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب رھب (سمع) سے مزید فیہ (باب تفعیل) ہے، اور رھب کا معنی (ڈرنا، خوف زدہ ہونا) تو ترہیب کا معنی ہوتا ہے ڈرانا، خوف دلانا، دہشت زدہ کرنا، ترہیب کا مادہ (ر ھ ب) اصل میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (10)

اول: ایک معنی تو وہ ہے جس کے متعلق علامہ راغب اصفہانیؒ رقمطراز ہیں: الرهبة والرهب: مخافةمع تحرزو اضطراب (11) یعنی الرھب ایسے ڈرنا کہ جس میں اضطراب اور احتیاط بھی پائی جائے، قرآ نمجید میں ہے: لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۔ (12) اور جگہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ یَحْیٰى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا یُسَارِعُونَ فِی الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِینَ۔ (13)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ توقع، امید اور خوف سے پکارا کرتے تھے۔ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ (14) "اور ہم سے ڈرتے رہو۔" میں بھی اسی معنی میں ہے۔ بمعنی پارسا، متقی۔ اہل لغت کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رھب فعل مجرد لازمی اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ رھب فلاں یعنی فلاں ڈر گیا، اور کبھی متعدی استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے رھبہ یعنی دوسرے کو ڈرایا اور جب ثلاثی مزید فیہ استعمال ہو تو کہا جاتا ہے رھبہ واسترھبہ (15) یعنی توعد یعنی دوسرے کو ڈرانا۔

اصطلاح میں ترہیب کا استعمال برائی سے روکنے، گناہوں کے ارتکاب اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر سزاؤں کی وعید یا اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کا ذکر کر کے سامعین کے دلوں میں خوف وار پیدا کرنے کے لیے ہے۔ عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں: کل ما یخف الله عن بحذر و من عدم الاستجابته، فض الحق او عدم الثبات علیه بعد قبوله (16) یعنی جو بات سامع کو حق کے بعد اسے ثابت قدم نہ رہنے پر خوف دلائے اور ڈر پیدا کرے۔

ترغیب و ترہیب کی ضرورت و اہمیت

دین اسلام انسانی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی کرتا ہے زندگی کی مشکلات سے بچنے اور مشکلات میں پھنس جانے کی صورت میں ان سے نکلنے کی راہ بتاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات و پیغامات بندوں تک پہچانے کیلئے انبیاء و رسل بھیجے گئے تاکہ انسان دنیاوی

زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے بعد اخروی جزا کا حق دار ٹھہرے۔ انبیاء کرام نے رب کریم کے احکام وپیغام کے ذریعے انسان پر حق وباطل، صحیح وغلط پیچ وجھوٹ اور نیکی وبدی کو واضح کر دیا، پیغام اسی آجانے کی بعد انسان کو بااختیار بنا دیا گیا کہ وہ کس راہ پر چلے اور کسی سمت کو جائے احکامات الٰہی اور خواہشات نفس میں کسی کو اختیار کرے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے دنیا کو انسان کیلئے دار العمل بنایا ہے یہاں کے عمل کے صلہ کے لئے اخروی جہان کا انتظام کیا ہے مگر انسانی فطرت میں ہے کہ وہ بااختیار ہونے کے بعد پیغامات الٰہی کے بر خلاف خواہشات ذاتی کی طرف میلان زیادہ رکھتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبروں کو دعوت الی اللہ میں ترغیب وترہیب کے پہلو پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کی ہے اور انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو دعوت دینے کیلئے ترغیب وترہیب کے ت منہج میں انسانی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے احکامات خداوندی کو عوام الناس تک پہنچایا۔

ترغیب وترہیب میں مزاج اور نفسیات کا لحاظ

آپ ﷺ گفتگو، برتاؤ اور ہر چیز میں لوگوں کے مراتب اور اُن کی نفسیات کا پورا خیال رکھتے۔ آپؐ کو مردم شناسی میں کمال حاصل تھا۔ ہر شخص کی خوبیوں اور اس کے کمزور پہلوؤں پر آپ کی گہری نظر ہوتی۔ ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے۔ ہر معاملہ میں اُن کے مزاج اور ساخت کا خیال رکھتے۔ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا:

انزلوا الناس مَنَازِلَهُمْ (17)

"لوگوں کے ساتھ ان کے مرتبہ کے لحاظ سے پیش آؤ۔"

جن لوگوں کی تربیت آپؐ کو مقصود ہوتی آپ ﷺ ان کے حالات وکوائف، ان کی ذہنی وجسمانی طاقت، ان کی فطری صلاحیت اور ان کے مزاج وطبیعت کو ملحوظ رکھتے۔ احادیث کے مطالعہ کے دوران یہ واقعہ آپ نے ضرور پڑھا ہوگا کہ "ایک شخص آتا ہے وہ سب سے افضل عمل کے بارے میں پوچھتا ہے تو آپؐ اُسے جواب دیتے ہیں کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ ایک دوسرا شخص آتا ہے اور یہی سوال کرتا ہے تو آپؐ اسے جواب دیتے ہیں کہ "نماز" سب سے افضل عمل ہے۔ تیسرے شخص کو آپؐ بتاتے ہیں کہ حسنِ اخلاق سب سے بہتر عمل ہے۔"(18)

بظاہر آپؐ کے ان اقوال میں تضاد ہے۔ مگر حقیقت میں یہ جوابات مخاطب کے ذہن اور نفسیات کو سامنے رکھ کر دیئے گئے ہیں۔ ایک شخص جو کہ نماز روزہ کی بڑی پابندی کرتا ہے نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے مگر جہاد سے اس کی طبیعت ابا کرتی ہے جب وہ افضل عمل، کے بارے میں سوال کرتا ہے تو آپؐ اسے جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے جہاد کو افضل عمل قرار دیتے ہیں۔ ایک دوسرا شخص آتا ہے جو بہت سی نیکیاں کرتا ہے مگر نماز سے جی چراتا ہے، آپ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اس لیے اس کے لیے نماز کو سب سے بہتر عمل قرار دیتے ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے ایک شخص نے آنحضورؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی جس پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي جِئْتُ أُرِيدُ الْجِهَادَ مَعَكَ أَبْتَغِي وَجْهَ اللهِ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَقَدْ أَتَيْتُ وَإِنَّ وَالِدَيَّ لَيَبْكِيَانِ، قَالَ: سُوْرَةُ فَارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَأَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا (19)

آپؐ نے دریافت کیا کہ تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اُس نے کہاہاں! میری بوڑھی ماں زندہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ اپنی ماں کی خدمت کرو، اس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

غور کیجئے ایک شخص بوڑھی ماں کو چھوڑ کر جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کر رہاہے۔ جبکہ ماں سے فطری محبت کا تقاضہ یہ تھا کہ ماں کی خدمت کے لیے جہاد میں عدم شرکت کی اجازت طلب کی جاتی۔ آنحضور کی نگاہِ دور رس سے یہ کمزوری کب چھپ سکتی تھی۔ آپؐ نے صحابی کی دکھتی رگ پر انگلی رکھی اور فرمایا، جاؤ اپنی ماں کی خدمت کر و تمہارے لیے یہی جہاد ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاد بہترین عبادت اور افضل ترین عمل ہے مگر جب انسان ماں کے حقوق کی ادائیگی میں کماحقہُ دلچسپی نہ لے تو پھر اس کے لیے ماں کی خدمت ہی جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک شخص رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ:

وقد ورَدَ أنَّ أعرابيًّا بايع المصطفى صلى الله عليه وسلم على تركِ خصلةٍ من خصالٍ كالزِّنا والسرقة والكذب، فقال له النبيّ صلى الله عليه وسلم: «دعِ الكذب» فصار كلَّما همَّ بزنا أو سرقة قال: كيف أصنع إن فعلت سألني النبيُّ، فإن صدقته حدَّني، وإن كذبته فقد عاهدني على ترك الكذب، فكان تركه سببًا لترك الفواحش كلها (20)

"اے اللہ کے رسولؐ! میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہوں مگر میں اپنے اندر ان کو چھوڑنے کی سکت نہیں پاتا البتہ میں صرف کسی ایک گناہ کو چھوڑ سکتا ہوں۔ آنحضورؐ دریافت فرماتے ہیں کہ کیا تم مجھ سے یہ عہد کرتے ہو کہ کبھی جھوٹ نہیں بولو گے؟ وہ شخص کہتا ہے. ایسے اللہ کے رسولؐ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس کے بعد وہ شخص یہ کہتے ہوئے چلا جاتا ہے کہ رسولؐ خداؐ نے مجھ سے کتنی آسان چیز کا مطالبہ کیا ہے جب رات کی تاریکی بڑھ جاتی ہے تو یہ شخص گناہ کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے مگر معاً ذہن میں خیال آتا ہے کہ کل کو جب رسولؐ خداؐ سے ملاقات ہوگی اور وہ مجھ سے سوال کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ اگر سچ بولوں گا تو مجھ پر گناہ کی حد جاری کی جائے گی اور اب میں

جھوٹ بول سکتا نہیں۔ کیوں کہ جھوٹ نہ بولنے کا عہد کر چکا ہوں۔ اس شخص کے قدم جب بھی کسی گناہ کے لیے آگے بڑھتے ہیں خیال اس کے لیے زنجیرِ پا بن جاتا۔ چند دن کے بعد جب رسولؐ خداؐ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ تو آپؐ نے حالات پوچھے۔ بولے۔ اے رسولؐ خداؐ جھوٹ بولنے کے عہد نے تمام گناہ چھڑا دیئے۔"

اس واقعہ پر ذرا گہرائی سے غور کیجئے۔ ایک شخص رسولؐ خداؐ کی خدمت میں اگر بہت سے گناہوں کے ارتکاب کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان تمام گناہوں کو نہیں چھوڑ سکتا، صرف کسی ایک گناہ کو چھوڑ سکتا ہوں. اگر آنحضورؐ چاہتے تو شراب چھوڑنے کا وعدہ لے لیتے جو کہ ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے. آپؐ چوری ترک کرنے کا وعدہ لے لیتے، جو خود انسان کی آخرت بھی تباہ کرتی ہے اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ مگر آپ اس شخص کی نفسیات اور مزاج کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ شخص بہت سے گناہوں کے ارتکاب کی بات مجھ سے کہہ رہا ہے تو یہ بہت راست گو اور سچائی پسند ہے۔ یہ گناہوں میں ملوث ضرور ہے مگر حق بات کہنے کی جرأت و ہمت رکھتا ہے۔ اس صورت حال میں جھوٹ ترک کر دینا مشکل بھی نہیں ہو گا۔ پھر آپؐ کے ذہن میں مستقبل کا پورا خاکہ آجاتا ہے۔ چنانچہ آپؐ اس سے جھوٹ نہ بولنے کا عہد لے لیتے ہیں۔ آنحضورؐ کا اندازہ صحیح نکلتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تو میرے لیے بہت آسان چیز ہے پھر مستقبل کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ سوچا تھا وہ صحیح ثابت ہوتا ہے۔

اگر اللہ کے رسولؐ نے نفسیات و مزاج کا لحاظ نہ کیا ہوتا اور کسی دوسرے بڑے گناہ کے ترک کا وعدہ لے لیا ہوتا تو شاید اس کی زندگی میں اتنی جلدی انقلاب نہ آتا اس طرح کے واقعات احادیث وسیر کی کتابوں میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ہر مُربی کو ان کی روشنی میں اپنے زیرِ تربیت افراد کی نفسیات اور مزاج کو سمجھنا ان کے حالات و کوائف کا تجزیہ کرنا اور ان کے منازل و مراتب کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ نفسیات کے مطالعہ کو تربیت کے سلسلہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

انسانی نفسیات میں جذبات واحساسات کا لحاظ

انسان کے جذبات واحساسات کو تعمیری رخ دینے ہی کا دوسرا نام تربیت ہے. نبی کریمؐ اپنے مخاطبین کے مزاج اور نفسیات کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کے جذبات کا بھی پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ آپؐ جذبات کو کبھی غلط رخ اختیار نہ کرنے دیتے۔ اگر جذبات میں سرد مہری ہوتی تو آپؐ حکمت کے ساتھ ان میں حرارت پیدا کرتے۔ اگر آپؐ جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالتے اور نہ عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے جس سے جذبات بے قابو ہو جائیں۔ جذبات واحساسات کی رعایت کر کے انھیں صحیح اور تعمیری رخ دیتے۔ آپؐ کی حیات طیبہ میں ایسے کئی مواقع آئے کہ اگر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات واحساسات کو نہ سمجھا ہوتا، ان کی رعایت نہ کی ہوتی، ان کو صحیح اور تعمیری رخ نہ دیا ہوتا اور بر وقت حکیمانہ

اقدام کر کے ان پر قابو نہ پایا ہوتا تو تاریخ اسلامی میں کئی ناپسندیدہ ابواب کا اضافہ ہو گیا ہوتا۔ مگر آپؐ نے جذبات کے امنڈتے سیلاب کو روکنے کے بجائے اس کا رُخ صحیح جانب پھیر دیا۔

غزوہ حنین میں انصار کے مزاج کی رعایت

"غزوۂ حنین میں جو مالِ فئے ملا اس کو آپؐ نے قبائل عرب میں تقسیم کر دیا تا کہ اسلام کے تئیں ان کی دل بستگی کا سامان ہو۔ اس موقع پر انصار کو کوئی عطیہ نہیں دیا اور تمام مال دوسرے قبائل میں تقسیم کر دیا۔ انصار نے جب یہ دیکھا تو بشری تقاضہ کے تحت ان میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ انھوں نے کہا کہ مصیبت کے وقت تو ہم نے ساتھ دیا اور اب جب مال کی تقسیم کا وقت آیا تو آپؐ نے ہمیں نظر انداز کر کے سارا مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ انصار کے معزز ترین فرد حضرت سعید بن عبادہؓ کے علم میں جب یہ بات آئی تو رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اللہ کے رسولؐ! انصار کا قبیلہ مالِ فئے کی تقسیم کے سلسلہ میں اس وجہ سے روٹھا ہوا ہے کہ آپؐ نے پورا مال اپنی قوم میں تقسیم کر دیا۔ آپؐ نے قبائلِ عرب کو بڑے بڑے عطیات عنایت کئے مگر انصار کے حصہ میں کچھ بھی نہیں آیا۔"(21)

آپؐ نے پوچھا: سعید بن عبادہؓ اس سلسلہ میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے عرض کیا "اے رسولؐ خدا! میں بھی انصار کا ایک فرد ہوں۔" آپؐ نے سعید بن عبادہؓ سے کہا کہ "اچھا تمام انصار کو اس احاطہ میں جمع کرو میں ان سے گفتگو کروں گا" جب تمام انصار جمع ہو گئے تو رسولؐ اللہ تشریف لائے آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

> "اے انصار کے لوگو! تم کیا چہ میگوئیاں کر رہے ہو؟ تمھیں کون سی بات ناگوار گزری ہے؟ جب میں تمھارے پاس آیا کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ سے تمھیں ہدایت دی۔ کیا تم غریب نہیں تھے؟ اللہ نے میرے ذریعہ تمھیں مال داری عطا کی۔ کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن نہیں تھے؟ اللہ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا۔"(22)

انصار نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کا بے پناہ فضل و احسان ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اے انصار کے لوگو! خاموش کیوں ہو، میری باتوں کا جواب کیوں نہیں دیتے؟" انصار نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپؐ کو کیا جواب دیں حقیقت میں اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کا فضل و احسان ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "اے انصار کے لوگو! خدا کی قسم تم اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمھاری بات صحیح ہو گی میں بھی تمھاری تصدیق کروں گا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اے محمدؐ! تم اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ تمھیں لوگ جھٹلا چکے تھے ہم نے تمھاری تصدیق کی۔ تم بے یار و مددگار آئے ہم نے تمھاری مدد کی۔ تم لوگوں کے دھتکارے ہوئے تھے ہم نے تمھیں پناہ دی تم نادار تھے، مدد کر ہم نے تمھاری غم خواری کی۔"(23)

”اے انصار کے لوگو! کیا تم دنیا کی ایک حقیر چیز کے بارے میں مجھ سے ناراض ہو گئے ہو جس کے ذریعہ میں نے کچھ لوگوں کی دلجوئی کی ہے تا کہ وہ اسلام لے آئیں اور تمھیں تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا ہے۔“(24)

”اے انصار کے لوگو! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر واپس جائیں اور تم اللہ کے رسول ؐ کو لے کر اپنے گھر کو واپس جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ؐ کی جان ہے جو چیز تم لے کر واپس جاؤ گے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ واپس جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلیں اور انصار دوسری وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا یہ انصار میرے قریب ترین ہیں اور دوسرے لوگ ان کے بعد، اے اللہ: انصار پر رحم فرما، ان کے بیٹوں اور بیٹوں کی اولاد پر رحم فرما۔“(25)

راوی کا بیان ہے کہ رسول ؐ کی یہ تقریر سن کر لوگ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ؐ کی تقسیم سے خوش ہیں۔

غور کیجیے۔ جذبات نزاکت کے کسی رخ پر بہہ رہے تھے۔ اگر اللہ کے رسول ؐ نے جذبات کے علی الرغم تقریر کی ہوتی یا جذبات کو نہ سمجھا ہوتا تو اس کی یہ شدت کیسا رنگ اختیار کرتی۔ مگر اللہ کے رسول ؐ نے جب سعید بن عبادہ ؓ ان کی زبانی انصار کے جذبات کو سنا تو آپ ؐ کو غصہ نہیں آیا۔ آپ ؐ نے زبان سے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جو سعید بن عبادہ ؓ اور انصار کے جذبات کو ناخوش گوار رد عمل تک پہنچا سکتی تھی۔ آپ ؐ نے پوری طرح سے انصار کے جذبات کی شدت کو محسوس کیا۔ آپ جانتے تھے کہ بشری تقاضے کے تحت جذبات کی یہ ایک وقتی لہر ہے جس کو نہایت حکمت سے صحیح رخ دینا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ ؐ نے انصار کو سمجھانے کے لیے ان سے براہِ راست گفتگو کا فیصلہ کیا!

جب انصار جمع ہو گئے تو آپ ؐ تشریف لائے۔ آپ ؐ نے پہلے انصار کے جذبات کو نارمل کرنے کے لیے ان کا ماضی یاد دلایا، اور بتایا کہ خدا اور رسول خدا ؐ کے ذریعہ انھیں کتنی عظیم نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ اس یاد دہانی سے انصار کے جذبات نارمل تو ہو گئے مگر سوالیہ نشان اپنی جگہ باقی رہا اور ابھی ایک رخ تشنہ تھا۔ آپ ؐ کی تقریر کے جواب میں اگرچہ انصار خاموش ہو گئے تھے۔ مگر ان کے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں یہ سوال اٹھ سکتا تھا کہ اگر رسولِ خدا ؐ نے گمراہی سے نکالا ہے تو ہم نے بھی انہیں ایسے عالم میں پناہ دی ہے جب ان کو خود ان کی قوم اپنے وطن سے نکال چکی تھی۔ چنانچہ آنحضور ؐ نے اس ابھرنے والے سوال کو خود پوری قوت گویائی کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ انصار کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے جذبات کو تحلیل کر دیا پھر انصار سے اپنے گہرے تعلق کو پُر زور الفاظ میں واضح فرمایا اور ان کے دل نہ صرف یہ کہ شکوک وشبہات سے پاک ہو گئے بلکہ محبت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

آپ ؐ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ اشارۂ خداوندی کی بنیاد پر بظاہر نہایت دب کر کی گئی تھی۔ اس کا اندازہ آپ صلح نامہ کی اس شرط سے لگا سکتے ہیں کہ اگر مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ پہنچ جائے گا تو مدینے کے مسلمان اسے مکہ واپس کرنے کے پابند

ہوں گے۔ لیکن اگر مدینہ کا کوئی مسلمان مکہ آجائے گا تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح کی بہت سی نا قابل فہم شرائط تھیں۔

> ”ابھی شرائط اچھی طرح سے طے بھی نہ ہونے پائی تھیں اور عہد نامہ لکھا بھی نہ گیا تھا کہ ابو جندلؓ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آئے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا اور بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تو مکہ والوں نے مجھ پر مظالم ڈھائے۔ اب ان سے نجات پا کر بھاگا چلا آرہا ہوں یہ قریش کے نمائندوں نے کہا کہ یہ صلح اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ابو جندلؓ کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔“(26)

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہیں گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپؐ ان کو واپس نہیں کریں گے تو آئندہ آپؐ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔ معاہدہ کی تکمیل کی خاطر جس میں بہت سے مصالح پوشیدہ تھے۔ رسول خداؐ نے حضرت ابو جندلؓ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ ابو جندلؓ بیڑیوں میں جکڑے کہہ رہے تھے: اے مسلمانو! میں تمھاری موجودگی میں مشرکین کی طرف واپس بھیجا جا رہا ہوں۔ کیا تم میری حالتِ زار نہیں دیکھ رہے ہو کہ مجھے راہِ خدا میں کتنا ستایا گیا ہے۔

صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام کے جذبات کی رعایت

صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے جذبات کیا رہے ہوں گے؟ خاص طور پر نوجوانوں کے جذبات۔ اس کا اندازہ حضرت عمرؓ کی سرگرمیوں سے ہوتا ہے جب وہ رسول خداؐ اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر عرض کرتے ہیں کہ یہ صلح اس قدر دب کر کیوں کی جا رہی ہے؟ کیا حضرت محمدؐ رسولِ برحق نہیں ہیں؟ کیا ہمارا دین حق نہیں ہے؟ کیا کفار برسرِ باطل نہیں ہیں؟ اس عالم میں رسولِ خداؐ اس معاہدہ کی تکمیل فرماتے ہیں تکمیل سے فراغت کے بعد کھڑے ہوتے ہیں اور صحابہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

> ”اٹھو اپنے جانوروں کو یہیں قربان کر دو۔ پھر اپنے سروں کو منڈا ڈالو۔“(27)

انصار و مہاجرین سکتہ میں تھے۔ وہ مدینہ سے اس عزم اور تیاری سے چلے تھے کہ ایک طویل وقفہ کے بعد خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ منیٰ میں جا کہ قربانی کریں گے۔ انھیں کفار نے بغیر اسلحہ بھی مکہ میں جانے کی اجازت نہ دی اور دوسری طرف غیر مساوی شرائط پر معاہدہ تکمیل کو پہنچا۔ حالانکہ یہ صحابہؓ اب اپنے کو مجبور نہیں پاتے تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں غزوۂ بدر و احزاب میں کامیابی حاصل کیے ہوئے تھے مگر جب اللہ کے رسولؐ نے صلح نامہ پر دستخط کیے تو سب خاموش ہو گئے۔ لیکن جذبات کا یہ خاموش سمندر دلوں سے ابلا چاہتا تھا۔ تمام صحابہؓ تفکر و تحیّر کے سمندر میں غرق تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ جذبات کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسولِ خداؐ کے اشارے پر جان دینے والے اصحابؓ اپنے رسولؐ کا حکم پا کر خاموش بیٹھے رہے۔

اللہ کے رسولؐ نے وقفہ وقفہ سے تین بار حکم دیا کہ اٹھ کر اپنے جانوروں کو قربان کر دو اور اپنے سر منڈ اڈالو۔ مگر کوئی بھی شخص نہ ہلا، گویا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اللہ کے رسولؐ کو جذبات کی شدت کا اندازہ ہے اس لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔ آپؐ جانتے ہیں کہ اس موقع پر اگر کوئی سخت بات کہی گئی تو کسی ناخوشگوار واقعہ پر منتج ہو سکتی ہے۔ ذہن میں کوئی حل نہیں آرہا ہے۔ اپنے حرم میں داخل ہوتے ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کو پوری روداد سناتے ہیں۔ باہم مشورے سے ایک بات طے کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے واپس آتے ہیں۔ کسی سے کچھ نہیں کہتے، اپنے جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ اپنے حجام کو بلاتے ہیں اور اپنا سر منڈاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ یہ آپؐ کو دیکھتے ہیں اور آپؐ کی تقلید میں اپنے جانوروں کو قربان کر دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کے سر مونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔ غم و غصہ کا یہ عالم ہے کہ سر مونڈتے ہوئے ایک دوسرے کو زخمی کیے دیتے ہیں۔ جذبات کے امڈتے ہوئے اس سیلاب پر آپؐ نے کس طرح قابو پایا یہ ہر معلّم و مُربّی کے لیے قابل غور ہے اور قابل تقلید بھی!

ترغیب وترہیب میں تدریج وترتیب

سول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت وتربیت کے سلسلہ میں تدریج کا اہتمام فرماتے تھے کسی بھی مخاطب پر ہدایات کو یکبارگی نہ لادتے بلکہ اپنے مخاطب کی صلاحیت اور طاقت کے مطابق اسے تھوڑے تھوڑے احکام کا پابند بنائے۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت میں تدریج ایک فطری اور ضروری چیز ہے۔ اگر تدریج کا خیال نہ رکھا جائے تو اصلاح وتربیت کا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ زیر تربیت افراد کی خوبیوں اور خامیوں کا اچھی طرح تجزیہ کر کے ایک ایک خامی کو دور کرنا چاہیئے اور ایک ایک خوبی کو پروان چڑھانا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ کسی کی تمام خامیاں یک لخت ختم ہو جائیں تو یہ خام خیالی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا نزول ۲۳ سالوں کے درمیان جستہ جستہ ہوا۔ اسی طرح سے اسلامی احکام و تعلیمات کا نفاذ یک لخت نہیں کیا گیا بلکہ تدریج و ترتیب کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں جو کردار پروان چڑھا اس کی مثال کسی دوسری تحریک میں نہیں ملتی۔ آنحضورؐ تدریج کا کسی درجہ خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس نصیحت سے بخوبی ہو جاتا ہے جو آنحضورؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا:

> يقول لما بعث النبي صلى الله عليه وسلم معاذ بن جبل إلى نحو اهل اليمن، قال له: إنك تقدم على قوم من اهل الكتاب، فليكن اول ما تدعوهم إلى ان يوحدوا الله تعالى فإذا عرفوا ذلك، فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم خمس صلوات في يومهم وليلتهم، فإذا صلوا، فاخبرهم ان الله افترض عليهم زكاة في اموالهم تؤخذ من غنيهم، فترد على فقيرهم فإذا اقروا بذلك، فخذ منهم وتوق كرائم اموال الناس (28)

”تم ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے۔ تم پہلے انھیں توحید اور رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ یہ بات مان لیں کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسولؐ ہیں تو پھر انھیں یہ بتانا کہ

خدا نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ یہ بات تسلیم کر لیں تو پھر انھیں یہ بتانا کہ خدا نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے لی جائے گی اور غریبوں کی ضروریات پر خرچ کی جائے گی۔"

دیکھا آپ نے! یہ نبی کریمؐ نے دعوت وتربیت کے سلسلہ میں حضرت معاذؓ کو کس طرح تدریج کا حکم دیا کہ وہ اپنی دعوت کا آغاز اسلام کی بنیادی تعلیم سے کریں۔ لوگوں کو پہلے توحید اور رسالت محمدیؐ کی تعلیم دیں۔ جب وہ اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیں پھر انہیں اسلام کے دوسرے رکن نماز کی طرف بلائیں۔ جب وہ نماز کے سلسلے میں بھی مطیع ہو جائیں تب انھیں اسلام کے تیسرے رکن زکوٰۃ سے آگاہ کیا جائے اور اس طرح تدریج کے ساتھ پورا اسلام ان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

آج کل دیکھا گیا ہے کہ دعوت واصلاح کا کام کرنے والے لوگ پہلے ہی مرحلہ میں مکمل تبدیلی اور انقلاب کی دعوت دے بیٹھتے ہیں اور بہت سے مُربّی اپنے مخاطبین پہلے ہی مرحلہ میں یک لخت تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلامی عقائد کو تسلیم کرتے ہی اور تمام فرائض ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کے ساتھ نوافل کا اہتمام بھی کریں مکروہات ومباحات سے بھی بچیں بلکہ بعض لوگ فروع اور جزئیات پر زیادہ زور دیتے ہیں اور اصول ومبادی کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً کوٹ اور پتلون کے ترک پر بڑا زور دیتے ہیں اور حقوق العباد کی ادائیگی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ تدریج میں جہاں یہ بات شامل ہے کہ تمام چیزوں کی یکبارگی تلقین نہیں کرنا چاہیے وہیں یہ بات بھی شامل ہے کہ درجات ومراتب کا بھی خیال رکھا جائے۔ جو سب سے اہم بات ہے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی جائے پھر جو اس سے کم ہو اس کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے۔ یعنی الاوّل فالاوّل کا خیال رکھا اس جائے۔

تدریج کے اس پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"قرآن پاک میں پہلے پہل صرف وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کر جب لوگ اسلام کے سائے میں آگئے تو حرام وحلال کی آیتیں نازل ہوئی اور اگر پہلے ہی مرحلہ میں وہ آیات نازل ہو جائیں جن میں شراب اور زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے تو لوگ پکار اُٹھتے ہم شراب اور زنا کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔"(29)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ احیائے اسلام کی کوشش کر رہے ہیں ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نصب العین اور منزل مقصود تک پہنچنے کے سلسلہ میں تدریج کے قانون کو نگاہوں کے سامنے رکھیں اور درمیانی منازل سے اعراض نہ کریں۔

تدریج کا یہ قانون فطری ہے اور تمام مخلوقات میں پایا جاتا ہے۔ انسان، حیوانات اور نباتات میں سے ہر وجود تدریجی مراحل سے گزر کر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر اصلاح تربیت جو گوناگوں نزاکتوں کو لیے ہوئے ایک عظیم فریضہ ہے بغیر تدریج کے کسی طرح موثر ہو سکتی ہے؟

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور زندگی کے قافلے کو خلفاء راشدینؓ کی راہ پر لگانے کا ارادہ کیا تو ان کے غیور و پرجوش بیٹے عبد الملک نے جب یہ دیکھا کہ غلطیوں کی اصلاح کرنے اور مظالم کو رفع کرنے میں تاخیر ہو رہی ہے تو ایک روز اپنے والد عمر بن عبد العزیزؒ سے کہا:

> ”آپ سارے معاملات کو جلد از جلد درست کیوں نہیں کر دیتے۔ حق کی راہ میں نہیں جو کچھ بھی پیش آئے اس کی نہیں کوئی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔“(30)

یہ سن کر مدبّر باپ نے جواب دیا:

> ”بیٹے جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں شراب کی مذمت میں دو بار آیتیں نازل کیں پھر تیسری بار آیات نازل کر کے شراب کو حرام قرار دیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں تدریج کو نظر انداز کر کے یکبارگی لوگوں کو پورے حق پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں تو کہیں لوگ اسے چھوڑ نہ دیں تو یہ بھی بڑا فتنہ ہو گا۔(31)

اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں تدریج کی بڑی اہمیت ہے ایک طرف انسانی تجربات یہ ثابت کرتے ہیں کہ تدریج ایک فطری عمل ہے دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے اور آپ کی پوری حیات دعوت و تربیتِ تدریج کے حسن سے روشن ہے۔

ثمامہ بن اُثال کو ترغیبِ اسلام اور نفسیاتی رعایت

بنو قرظاء سے واپسی پر مسلمانوں نے بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو قید کر لیا۔ صحابہ کرامؓ اسے جانتے نہیں تھے۔ وہ اسے پکڑ کر مدینہ منورہ لے آئے اور مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: ماذا عندک یا ثُمامَۃَ؟ ثمامہ کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: ”اچھی ہی بات کہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے مار ڈالیں گے تو میرے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ اور اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیں، دیا جائے گا۔“ یہ سن کر آپؐ نے ثمامہ کو وہیں رہنے دیا۔ پھر دوسرے دن تشریف لائے اور پوچھا: ماذَا عِندَکَ یَاثُمامَۃُ؟ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: ”میں عرض کر چکا ہوں اگر آپؐ احسان کریں گے احسان کا بدلہ چکانے والے پر احسان کریں گے۔“ یہ سن کر رسول اللہؐ نے اسے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ پھر تیسرے دن

آپؐ نے اس سے پوچھا: مَاذَا عِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ؟ ثمامہ! کیا کہتے ہو؟" اس نے کہا: میں عرض کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ » "ثمامہ کو چھوڑ دو۔" وہ مسجد کے قریب ایک چشمے پر گیا غسل کیا، مسجد میں آیا اور کہنے لگا:

أَشْهَدُ أن لا إله إلا الله وأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدٌ رسول الله

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسولؐ ہیں۔"(32)

اس کے بعد ثمامہ کہنے لگے: "اے محمدؐ! ساری زمین پر آپؐ کے چہرے سے بڑھ کر میرے لیے قابل نفرت کوئی چہرہ نہ تھا مگر آج آپؐ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! آپؐ کے دین سے زیادہ مجھ کو کسی دین سے نفرت نہ تھی، اب آپؐ کا دین مجھے سب ادیان سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کی قسم! آپؐ کے شہر سے زیادہ مجھے کسی شہر سے نفرت نہ تھی، اب آپؐ کا شہر مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ آپؐ کے سواروں نے مجھے اس حال میں پکڑا تھا کہ میں عمرہ کی نیت سے جارہا تھا، اب آپؐ کیا فرماتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو خوشخبری دی اور اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت دی۔ جب ثمامہؓ عمرہ کرنے مکہ پہنچے تو کوئی کہنے لگا: "ثمامہ بے دین ہو گیا۔" ثمامہؓ نے کہا: "نہیں، میں تو محمد ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ یہ جان لو کہ یمامہ سے تمھیں گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک رسولؐ اللہ ﷺ اجازت نہ دیں گے۔"(33)

ثمامہؓ نے اپنی قسم پوری کر دکھائی اور انھوں نے اہل مکہ کے سرداروں کو مجبور کر دیا کہ وہ رشتہ داری کا واسطہ دے کر رسول اللہ ﷺ سے سوال کریں کہ آپ ﷺ ثمامہ کو لکھیں کہ وہ ہمیں غلہ اٹھانے کی اجازت دے دے۔ رسول اللہ ﷺ نے دشمنی کے باوجود اپنی قوم کی یہ خواہش پوری کر دی اور بنو حنیفہ کے سردار ثمامہؓ کو لکھ بھیجا کہ میری قوم اور ان کے غلے کے درمیان رکاوٹ نہ بنو، لہذا حضرت ثمامہؓ نے اپنے پیغمبرؐ کی بات تسلیم کی اور بنو حنیفہ کو غلہ جات مکہ ارسال کرنے کی اجازت دے دی۔ (34)

اس واقع میں اگر غور کیجئے حضور نبی کریم ﷺ نے ثمامہ کی سرداری اور اس کے منصب کی کس قدر رعایت فرمائی ہے، جبکہ اس شخص نے کئی صحابی کرام کو قتل کیا تھا اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس پر اسلام کی دعوت اس انداز مین پیش کی کہ اس کا دل موم ہوئے بغیر نہ رہے سکا، اس واقعہ میں سب سے اہم پہلو اس کے اعزاز اور اس کی شان وشوکت کے مطابق اس کی مزاج کی رعایت فرمانا ہے، اور تین دن تک حسن اخلاق سے پیش انا ہے۔

عہد حاضر میں مبلغین اسلام اور واعظین اسلوب دعوت میں اس اسلوب سے پہلو تہی کر جاتے ہین جس کی وجہ سے دعوت کے وہ اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ آج بھی اگر داعی اپنے مخاطب کی نفسیات اور اس کے مزاج کے مطابق اس کے سامنے اسلام کی ترغیبات وترہیبات کو پیش نظر رکھے کر دعوت کا کام کرے تو یقینا اس کے مثبت ثرات سامنے آئے گیں، افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ سیرت کے ان پہلوں اور اس طرز استدلال کو تعلیمی ادارجات میں اس پیرائے میں پڑھیا ہی نہیں جارہا، اس پر سب سے پہلے

تعلیمی مراکز اور علمی مجالس میں اس اسلوب پر عمل کرنے اور کروانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ معاشرے میں سیرت کا صحیح فہم عام ہو سکے اور عوام الناس دین کے امتیازات اور سیرت محمدی ﷺ کے ان پہلوؤں سے آشنا ہو سکے۔

حرام سے اجتنابی پر ترہیب

حضور نبي کریم ﷺ ترغیب کے ساتھ ساتھ حرام اور افعال قبیح کي مذمت بھي فرماتے اور اس سے منع بھي فرماتے۔ ترھیب کے اسلوب میں بھي حضور ﷺ انساني نفسیات کا مکمل لحاظ رکھتے۔ آپ ﷺ کي مجلس میں انے والا جو شخص ھوتا اس کے مزاج کو سمجھ کر اس کي ترھیب کے انداز میں تربیت فرماتے۔ اس کي امثلہ ملاحظہ کیجئے:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیّ أَنَّ أَبَا سَعِیدٍ الْخُدْرِیَّ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنْ نَجْرَانَ إِلٰی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ خَاتَمُ ذَہَبٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یَسْأَلْهُ عَنْ شَیْئٍ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلٰی امْرَأَتِهِ فَحَدَّثَہَا فَقَالَتْ إِنَّ لَکَ لَشَأْنًا، فَارْجِعْ إِلٰی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ إِلَیْهِ فَأَلْقٰی خَاتَمَهُ وَجُبَّةً کَانَتْ عَلَیْهِ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ أُذِنَ لَهُ وَسَلَّمَ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَقَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَعْرَضْتَ عَنِّی قَبْلُ حِینَ جِئْتُکَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((إِنَّکَ جِئْتَنِی وَفِی یَدِکَ جَمْرَةٌ مِنْ نَارٍ۔)) فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَقَدْ جِئْتُ إِذًا بِجَمْرٍ کَثِیرٍ وَکَانَ قَدْ قَدِمَ بِحُلِیٍّ مِنَ الْبَحْرَیْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم: ((إِنَّ مَا جِئْتَ بِهِ غَیْرُ مُغْنٍ عَنَّا شَیْئًا إِلَّا مَا أَغْنَتْ حِجَارَةُ الْحَرَّةِ وَلٰکِنَّهُ مَتَاعُ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا۔)) فَقَالَ الرَّجُلُ: فَقُلْتُ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ! اعْذُرْنِی فِی أَصْحَابِکَ لَا یَظُنُّونَ أَنَّکَ سَخِطْتَ عَلَیَّ بِشَیْئٍ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی الله علیه وآله وسلم فَعَذَرَهُ وَأَخْبَرَ أَنَّ الَّذِی کَانَ مِنْهُ إِنَّمَا کَانَ لِخَاتَمِهِ الذَّہَبِ۔(35)

ابو سعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ بحرین (احساء) سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور سلام کیا، آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا، اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک انگوٹھی تھی اور ریشم کا جبہ، اس نے وہ دونوں اتار کر پھینک دیے اور پھر سلام کیا، تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، اب اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں تو سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ نے مجھ سے رخ پھیر لیا؟ آپ نے فرمایا: ” تمہارے ہاتھ میں جہنم کی آگ کا انگارہ تھا “، وہ بولا: تب تو اس میں سے بہت سارے انگارے لے کر آیا ہوں، آپ نے فرمایا: ” تم جو کچھ بھی لے کر آئے ہو وہ ہمارے لیے اس حرہ کے

پتھروں سے زیادہ فائدہ مند نہیں ہے، البتہ وہ دنیا کی زندگی کی متاع ہے"، وہ بولا: تو پھر میں کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں؟آپ نے فرمایا: "لوہے کا یا چاندی کا یا پیتل کا ایک چھلا بنالو"۔

حضور ﷺ اپنے صحابی کو سلام کرنے کے بعد بھی سونے کی حرمت سے آگاہی دے سکتے تھے مگر نفسیاتی اعتبار سے جس قدر صحابہ کرام حضور ﷺ سے محبت کرتے تھے اس مزاج کا لحاظ رکھا اور آقا ﷺ نے سلام ہی نہیں کیا تا آنکہ اس کی نفسیات پر یہ بات منکشف ہو جائے کہ جس ہاتھ میں حرام ہو گا، حضور ﷺ اس کو سلام بھی نہیں کرے گیں۔اس واقعہ میں حضور ﷺ نے سونے کی حرمت کے ساتھ ساتھ اپنی ذات سے وابستہ تعلق کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور ناراضگی کا اظہار کیا جس سے صحابی کی نفسیات پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے یک لخت سونے کو اتار کر پھینک دیا۔گویا حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اشیائے حرام کی حرمت کا احساس دلاتے وقت بھی ان کے مزاج کی رعایت فرماتے۔اسی طرح ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ، وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ، إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هَذَا قَدْ غَلَبَنِي عَلَى أَرْضٍ لِي، كَانَتْ لِأَبِي، فَقَالَ الْكِنْدِيُّ: هِيَ أَرْضِي فِي يَدِي، أَزْرَعُهَا لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ: أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَلَكَ يَمِينُهُ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ، وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ، فَقَالَ: لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ؟ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَدْبَرَ: " أَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لَيَلْقَيَنَّ اللَّهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ(36)

وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ دو آدمی ایک حضر موت سے اور ایک کندہ سے نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ حضرمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس (کندی) نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے، اس پر کندی نے کہا: یہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے، اس پر اس (حضرمی) کا کوئی حق نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرمی سے پوچھا: "تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟"، اس نے عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: "پھر تو تم اس سے قسم ہی لے سکتے ہو"، اس آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ فاجر آدمی ہے اسے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ کس بات پر قسم کھا رہا ہے۔اور نہ وہ کسی چیز سے احتیاط برتتا ہے، آپ نے فرمایا: "اس سے تم قسم ہی لے سکتے ہو"۔آدمی قسم کھانے چلا تو رسول اللہ ﷺ نے جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا فرمایا: اگر اس نے ظلماً تمہارا مال کھانے کے لیے قسم کھائی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس سے رخ پھیرے ہو گا۔37

اس واقعہ کی نزاکت کا اندازہ کیجئے کہ کس قدر حضور ﷺ نے جھوٹی قسم اٹھانے والے شخص کی نفسیاتی تربیت فرمائی۔ مخاطب کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت سے محرومی کا احساس کو اجاگر کیا۔ اس لیے کہ اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس کی سرشت میں اس کے تحت شعور میں اس بات کی فکر کو پران چڑھایا کہ اگر تم غلط بیانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بروز محشر اپنا چہرہ پھیر لے گا۔

خلاصہ بحث

۱۔ ترغیب و ترہیب پر مبنی اسلوب نبوی ﷺ کو عام کرنے کی ضرورت اشد ضرورت ہے۔

۲۔ دعوت و تبلیغ میں مخطاب کی نفسیات اور اس کے مزاج کی رعایت کرنا از حد ضروری ہے اس کے بغیر دعوت کے مثبت نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔

۳۔ ترغیب و ترہیب کے باب میں تدریج و ترتیب کا اہتمام از حد ضروری ہے، یعنی مخاطب کی صلاحیت اور مزاج کے مطابق جستہ جستہ احکام و اخلاق کی تعلیم دینی چاہیے۔

۴۔ دعوت و تبلیغ کا ایک عمدہ پہلو انسانی جذبات اور احساسات کا مکمل لحاظ رکھنا ہے۔ اس کے سیکڑوں نمونے ہمیں اسوہ نبوی ﷺ میں نظر آتے ہیں۔

5. ترغیب و ترہیب میں اگر انسانی نفسیات، مزاج کی رعایت نہ کی جائے تو لوگ پر مثبت کے بجائے منفی اثرات کو پزیرائی ملے گی۔

۶۔ ترغیب و ترہیب کے باب میں انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھنا پیغام سیرت کا خاصہ ہے، اور یہی وہ اسلوب ہے جس کی بنیاد پر کئی کئی قبائل کے تمام افراد یک لخت اسلام کی تعلیمات کو قبول کرنے پر بخوشی رضامند ہو گے۔

۷۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی سرگرمیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جس طریق ترغیب و ترہیب نے اہل مکہ کو اسلام کی حقانیت ماننے پر مجبور کا تھا وہ انسانی مزاج کی رعایت کا حسین باب تھا۔

۸۔ قرآن و حدیث میں ایسے طریق کو منتخب کیا گیا ہے جو بالکل انسانی مزاج کے موافق ہیں جن کو اپنا کر ہم کسی بھی فرد کی سیرت کو زیادہ سے زیادہ موثر بنا سکتے ہیں، اُس کو اللہ کے قریب کر سکتے ہیں۔ اطاعت الٰہی کی طرف راغب کر سکتے ہیں۔ ترغیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکمیل اس کے تقاضے، اس کی شرائط کی تکمیل اور اس کی خلاف ورزی، خوف اور سزا کی وعید ترہیب کہلاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

1. Ibn Manẓūr al-Ifrīqī, Jamāl al-Dīn Muḥammad ibn Mukarram, Lisān al-‘Arab (Beirut: Dār Ṣādir, 1993), 1: 423.
2Az-Zabīdī, Muḥammad ibn Muḥammad ‘Abd al-Razzāq, Tāj al-‘Arūs (Beirut: Dār al-Hidāya, 1996), 2: 508.
3Ash-Sharḥ, 94:8.
4Al-‘Imādī, Abū as-Sa‘īd Muḥammad ibn Muṣṭafā, Tafsīr Abī as-Sa‘ūd (Beirut: Dār Iḥyā’ al-Turāth al-‘Arabī, n.d.), 173.
5Az-Zabīdī, Muḥammad ibn Muḥammad ‘Abd al-Razzāq, Tāj al-‘Arūs, 2: 508.

6Ibn Manẓūr al-Ifrīqī, Jamāl al-Dīn Muḥammad ibn Mukarram, Lisān al-‘Arab, 1: 424.

7 Az-Zabīdī, Muḥammad ibn Muḥammad ‘Abd al-Razzāq, Tāj al-‘Arūs, 2: 509

8 Zaydān, ‘Abd al-Karīm, Uṣūl ad-Da‘wa (Beirut: Mu’assasat ar-Risāla, 1981), 437.

9 An-Naḥlāwī, ‘Abd al-Raḥmān, Uṣūl at-Tarbiya al-Islāmiyya (Beirut: Dār al-Fikr, n.d.), 230.

10Ar-Rāzī, Abū al-Ḥusayn Aḥmad ibn Fāris ibn Zakariyyā, Muqāyīs al-Lugha (Beirut: Dār al-Fikr, 1987), 2: 448.

11 Ar-Rāghib al-Aṣfahānī, Abū al-Qāsim al-Ḥusayn ibn Muḥammad, Mufradāt fī Gharīb al-Qur’ān (Beirut: Dār al-Qalam, 1991), 1: 367

12 Ar-Ra‘d, 13:59

13Al-Balad, 90:21.

14Al-Balad, 90:21.

15Al-Fayrūzābādī, Muḥammad ibn Ya‘qūb, Al-Qāmūs al-Muḥīṭ (Beirut: Mu’assasat ar-Risāla, 2005), 1: 192.

16Zaydān, ‘Abd al-Karīm, Uṣūl ad-Da‘wa, 437

17Abū Dāwūd, Sulaymān ibn al-Ash‘ath, Sunan Abī Dāwūd (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2001), ḥadīth 4842

18 Muslim, Abū al-Ḥusayn Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, Ṣaḥīḥ Muslim (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2001), ḥadīth 256

19Ibn Māja, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Yazīd, Sunan Ibn Māja, Kitāb al-Jihād (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2000), ḥadīth 2782.

20 Manāwī, Muḥammad ‘Abd al-Ra’ūf, Al-Maktaba al-‘Arabiyya as-Sa‘ūdiyya (Riyadh: Wizārat at-Ta‘līm, 1997), 210.

21 Al-Bayhaqī, Abū Bakr ibn al-Ḥusayn, Dalā’il an-Nubuwwa (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1988), 5: 125.

22 Aḥmad ibn Ḥanbal, Abū ‘Abd Allāh Aḥmad ibn Muḥammad, Musnad Aḥmad (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2001), 3: 77.

23 Ṣalābī, Muḥammad ‘Alī, Sīrat an-Nabī (Lahore: Dār as-Salām, 2016), 3: 482.

24 Ibid,3:484

25 Ibn Qayyim al-Jawziyya, Abū Bakr ibn Muḥammad, Zād al-Ma‘ād (Egypt: Dār Maktabat al-Īmān, 1999), 2: 446.

26 Ibid., 3: 347.

27 Ibid., 3: 347.

28 Al-Bukhārī, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā‘īl, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2001), ḥadīth 7372.

29 Al-Bukhārī, Abū ‘Abd Allāh Muḥammad ibn Ismā‘īl, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 2001), ḥadīth 7378

30 Nadwī, Sirāj al-Dīn, Rasūl Khudā kā Ṭarīqa-e Tarbiyyat (Lahore: Islamic Publications, 1994), 78.

31 Ibid.78

32 Al-Ḥalabī, ‘Alī ibn Burhān al-Dīn, As-Sīra al-Ḥalabiyya (Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyya, 1990), 2: 298.

33 Ibid.2:298

34 Ibid.2:297

35 An-Nasā’ī, Aḥmad ibn Shu‘ayb, Sunan an-Nasā’ī (Beirut: Dār al-Ma‘rifa lil-Ṭaba‘a wa an-Nashr wa at-Tawzī‘, 1428 AH), ḥadīth 5209.

36 Ibid., ḥadīth 1340.